

احکام و آدابِ صوم کے تشریحی اصول

اقتادات شاہ ولی اللہؒ

بنیادی اصول

اللہ تعالیٰ نے انسان پر ایک ایسی امانت کا بار رکھا ہے جس کو اٹھانے کی لیاقت اور استعداد نہ آسمان و زمین میں ہے نہ پہاڑوں میں۔ یہ امانت "اختیار و ارادہ اور اعمال کی مسئولیت کا علقہ ہوتا ہے" جس کی وجہ سے انسان کو ایمان لانے اور اطاعت کرنے سے ثواب ملتا ہے اور انکار و نافرمانی کرنے سے عذاب۔ انسان بالطبع عالم نہیں ہے، لیکن اس میں علم حاصل کر سکنے کی استعداد ہے۔ اسی لیے "اگر وہ علم حاصل نہ کرے" تو اسے جاہل قرار دیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح وہ بالطبع عادل نہیں ہے، لیکن وہ عادل بن سکتا ہے۔ اسی لیے اگر وہ عدل نہ کرے، تو وہ ظالم ہے۔

انسان و جن کے سوا جس مخلوق سے ہم واقف ہیں وہ دو نوع کی ہے۔ ایک وہ جو نہ جنم میں مبتلا ہو سکتے ہیں نہ ظلم کر سکتے ہیں، جیسے فرشتے۔ دوسرے وہ جو نہ علم حاصل کر سکتے ہیں نہ عدل کر سکتے ہیں، جیسے جانور۔ فرشتے حیوانی خصوصیات جیسے بھوک پیاس، شہوت و غضب اور خوف و غم سے مبرا ہوتے ہیں۔ جانور اس نوعیت کے طبعی اور جسمانی تقاضے پورا کرنے ہی میں مشغول رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو "اس امانت کا بار کامیابی کے ساتھ اٹھانے اور اپنے مقصدِ حقیقی کو پورا کرنے کے لیے" اس کی فطرت اور استعداد میں دونوں قسم کی خصوصیات اور قوتیں بخشی ہیں۔ ملکوتی بھی، اور حیوانی بھی۔ یا ملکیت اور بیہوشی۔ ملکوتی قوت و خصوصیات کا سرچشمہ روحِ انسانی ہے، جو فرشتوں سے علاقہ رکھتی ہے۔ حیوانی قوت و خصوصیات کا منبع نفسِ انسانی اور جسم ہے، جو سارے حیوانات و بہائم میں پایا جاتا ہے۔ مگر جسمِ ارضی روحِ انسانی کے لیے وہ سواری

ہے جس کے ذریعہ وہ آخرت میں اپنی سعادت کی منزل مقصود تک پہنچ سکتی ہے۔ اس لیے جسم بھی انسان کی سعادت اور کامیابی کے لیے اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ اس کی ملکوتی خصوصیات۔ روح و جسم ایک دوسرے کے معاون و مددگار بھی ہو سکتے ہیں اور ایک دوسرے کے مزاحم و مخالف بھی۔ ان دونوں کے درمیان مسلسل کشمکش برپا رہتی ہے۔ روح ملکوتی بلندیوں کی طرف کھینچی ہے، نفس حیوانی پستیوں کی طرف۔ جب نفس و جسم کی قوتیں غالب آجاتی ہیں، تو روح کے تقاضے پورے نہیں ہوتے۔ روح کے تقاضے جب افراط و تفریط میں مبتلا ہو جائیں تو وہ جسم کے تقاضوں کو کچلتا شروع کر دیتے ہیں۔ یہ روش اس سواری کو کمزور کرنے یا ختم کر دینے کے مترادف ہے جو انسان کو کامیابی کی منزل تک پہنچا سکتی ہے۔

انسان کی حقیقی کامیابی اس میں پوشیدہ ہے کہ اس کی خواہش نفس اور ہوس عقل کے تابع ہو، اور نفس حیوانی روح انسانی کی اطاعت کرے۔ لیکن اگر خواہشات و شہواتِ نفسانی زیادہ قوی ہوں تو وہ روح کے تقاضوں کی تکمیل میں مانع ہوتے ہیں، اس لیے ان خواہشات کو مغلوب کرنا اور قابو میں رکھنا ناگزیر ہے۔ ان خواہشاتِ نفس کو غالب کرنے والے اسباب میں سب سے زیادہ قوی اسباب کھانا پینا اور شہوانی لذتوں میں انہماک ہیں۔ اس لیے ان خواہشاتِ نفس کو قابو میں رکھنے کے لیے سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ ان چیزوں کو کم کیا جائے اسی لیے وہ تمام لوگ جو روحانی بلندیوں کا حصول چاہتے ہیں، وہ کسی بھی مذہب کے پیرو ہوں اور کسی بھی ملک کے رہنے والے ہوں، اس بات پر متفق ہیں کہ اس مقصد کے حصول کی بہترین تدبیر کھانے پینے اور لذتِ شہوانی میں انہماک کو کم کرنا ہے۔

مطلوب یہ ہے کہ نفس کی خواہشات روحانی وجود کی تابع ہو جائیں اور صیغۃ اللہ میں رنگ جائیں۔ روح، جسم کے تقاضوں اور خواہشات سے آزادی حاصل کر لے۔ اس کا راستہ اس کے سوا کوئی نہیں کہ روح ایک عمل کا مطالبہ نفس سے کرے، اور اس سے اطاعت کرائے، اسے سرکشی نہ کرنے دے۔ پھر بار بار یہی عمل دہرایا جائے حتیٰ کہ روح کی اطاعت کرنا نفس کی عادت بن جائے۔ مثلاً اکل و شرب اور شہوت جیسی چیزوں کو ترک کرنے کا مطالبہ، جن کی خواہش نفس کرتا ہے اور جن سے اسے لذت حاصل ہوتی ہے۔ یہی روزہ ہے۔

تدابیرِ زندگی، اہل و عیال اور اموال میں مشغولیت کی وجہ سے سب لوگوں کے لیے خود سے اس قسم کے مجاہدہ اور ریاضت کا پابند رہنا ممکن نہیں، اس لیے یہ ضروری ہوا کہ عام آدمی پر وقفے وقفے سے، اتنی مقدار میں اس ریاضت کو فرض کیا جائے کہ اس کے روحانی تقاضوں کی

تھکیل کا سامان بھی ہو اور جو کوتاہیاں ہو گئی ہوں ان کی تلافی بھی ہو جائے۔ گویا وہ اس گھوڑے کی طرح ہو جائے جو لمبی رسی سے ایک کھونٹے سے بندھا ہو اور دائیں بائیں چکر لگا کر پھر اپنے تھان پر آکھڑا ہو۔

یہ بھی ضروری ہے کہ مدت اتنی مقرر کی جائے کہ افراط و تفریط کا امکان نہ ہو۔ نہ کمی کرنے والا اس عبادت کو اتنا کم کرے کہ اس کو کوئی فائدہ نہ پہنچے، نہ زیادتی کرنے والا اتنا زیادہ کرے کہ اس کا نشاط جاتا رہے، اور وہ اپنے نفس کو زندہ درگور کر دے۔ اصل میں روزہ ایک تریاق کی طرح ہے۔ اس لیے اس کا استعمال بقدر ضرورت ہی کرنا صحیح ہے۔

تقلیلِ اکل و شرب کے دو طریقے ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ کھانے کی مقدار کم کر دی جائے، دوسرے یہ کہ کھانوں کے درمیان وقفہ طویل کر دیا جائے۔ شریعت نے دوسری صورت اختیار کی ہے۔ اس لیے کہ اس طریقے سے آدمی کمزور ہوتا ہے، ٹھکتا ہے اور بھوک پیاس کو محسوس کرتا ہے۔ حیوانی خواہشات پر چوٹ بھی پڑتی ہے۔ پہلے طریقے میں کوئی دیرپا اثر نہیں پڑتا، مگر آدمی تھک جاتا ہے۔ نیز اس طریقے میں ہر عام آدمی کے لیے ایک ہی قانون نہیں بنایا جاسکتا۔ لوگوں کی حالت مختلف ہوتی ہے، ایک آدمی ایک پاؤ کھاتا ہے تو دوسرا آدمی آدھا سیر۔ خوراک کی مقدار میں جو کمی ایک آدمی کے ضبطِ نفس کے لیے ضروری ہوگی، وہ دوسرے کے لیے ہلاکت کا باعث بن سکتی ہے۔ یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ مدت کا تعین لوگوں کی رائے پر چھوڑا جائے۔ اس لیے کہ ایسا کرنا قاعدہ تشریح کے خلاف ہو گا۔ یہ مدت طویل بھی نہ ہونا چاہیے کہ صحت کے لیے مضر ہو جائے، اس لیے کہ یہ مقصودِ شرعی کے خلاف ہو گا، اور عام لوگوں کے لیے ناقابلِ عمل۔

نیز یہ بھی ضروری ہے کہ بھوکا رہنا بار بار ہو، تاکہ مشق ہو اور اطاعت کا ملکہ پیدا ہو۔ ایک دفعہ بھوکا رہنے میں کوئی فائدہ نہیں، خواہ بھوک کتنی ہی شدید اور طویل ہو۔

یہ بھی ضروری ہے کہ نفس کو اس طرح مغلوب کرنے کے لیے کہ وہ ہلاکت تک نہ پہنچ جائے، بھوک پیاس کی مدت اور اس کی تکرار کے لیے مدت کے تعین میں ایسے مقدمات اختیار کی جائیں جو عام لوگوں میں مستعمل ہوں، اور جن کو ذی عقل، بیوقوف، شہری، دیہاتی سب جانتے ہوں۔

ان تشریحی اصولوں کے مطابق شریعتِ الہی میں روزہ کے لیے ایک دن کی مدت، اور تکرار کے لیے ایک ماہ کی مدت مقرر کی گئی۔

جب روزہ کی عبادت تمام لوگوں کے لیے فرض کی گئی، اور سب کی اصلاح اور عرب و عجم

کی فلاح مطلوب ہوئی تو یہ ضروری ہوا کہ لوگوں کو اس مہینہ کے انتخاب میں آزاد نہ چھوڑا جائے، کہ ہر شخص اس مہینہ کو اختیار کرے جس میں اس کے لیے روزہ رکھنا آسان ہو۔ اس طرح تاویل اور عذر و فرار کا راستہ کھل جاتا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دروازہ بند ہو جاتا، اور اسلام کی یہ عظیم الشان عبادت گمنامی اور غفلت کا شکار ہو جاتی۔

جب ایک مہینہ مقرر کرنا ضروری ہوا، تو اس مہینہ سے بہتر اور کونسا مہینہ ہو سکتا تھا جس میں قرآن مجید نازل ہوا، ملت مستحکم و راسخ ہوئی، اور جس میں شب قدر جیسی رات پائی جاتی ہے۔

حکمتِ احکام و آداب

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جب تک چاند نظر نہ آئے روزہ نہ رکھو“ اور چاند دیکھے بغیر روزے ختم نہ کرو۔ پھر اگر ابر ہو جائے تو اندازہ کر لو۔ ایک روایت میں ہے کہ ”تیس روزے پورے کر لو۔“

روزوں کے لیے قمری مہینہ اختیار کیا گیا ہے جس کا انحصار رویتِ ہلال پر ہے، اور وہ کبھی سس دن کا ہوتا ہے اور کبھی اسی دن کا۔ اسی لیے ایشیاء کی صورت میں قمری مہینہ کی اس بنیاد کی طرف رجوع کرنا ہی ضروری ہوا۔ وجہ یہ ہے کہ تشریح کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ احکام کی بنیاد ایسے امور پر ہو جن کو عام اور ان پڑھ لوگ بھی آسانی سے جان لیں، بغیر اس کے کہ وہ تعمق میں پڑ کے بال کی کھال نکالیں، یا پیچیدہ حساب کتاب میں پڑیں۔ بلکہ شریعت نے ایسی چیزوں کا سدباب کیا ہے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ ”ہم ان پڑھ لوگ ہیں، نہ لکھنا جانتے ہیں نہ حساب کرتا۔“

آپؐ نے فرمایا ہے کہ ”عید کے دو مہینوں، رمضان اور ذوالحجہ، میں کبھی نقصان نہیں ہوتا۔“ بعض نے کہا ہے کہ دونوں مہینے ایک ہی سال میں انتیس انتیس کے نہیں ہوتے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ مہینہ انتیس کا ہو یا تیس کا، اجر میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ دوسری توجیہ قواعدِ تشریح کے زیادہ مطابق ہے۔ گویا آپؐ نے اس بات کا انسداد کیا کہ دلوں میں خواہ مخواہ ہی کوئی وہم یا کھٹک پیدا ہو۔

احکامِ صوم کے باب میں دوسرے احکام کی طرح شریعت کے اہم مقاصد میں سے یہ ہے کہ تعمق کے اسباب کا سدباب کیا جائے۔ یہود و نصاریٰ اور عبادت گزار اہل عرب بھی روزہ کا اہتمام کرتے تھے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ روزہ کا اصل مقصود نفس کو مغلوب کرنا ہے، اس لیے

انہوں نے تعمق کیا اور کئی بدعات ایجاد کیں تاکہ نفس اور زیادہ مغلوب ہو۔ مگر اسی طرح دین الہی میں تحریف ہوتی ہے۔ یہ تحریف کیت اور کیفیت، دونوں پہلوؤں سے ہوتی ہے۔

کیت کے لحاظ سے تحریف کے انداز کی ایک مثال یہ ہے کہ آپؐ نے رمضان سے ایک یا دو دن پہلے روزہ رکھنے سے منع فرمایا، اور عید کے دن اور شکر کے دن بھی روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔ ایسے روزہ اور رمضان کے روزہ میں کوئی فصل نہیں ہے۔ (جب کہ فرض کا میتر رہنا اہم تشریحی اصول ہے)۔ اس کا بھی امکان تھا کہ وہی لوگ ایسے روزہ کو اپنے اوپر لازم کر لیں اور متاخرین اس کو سنت سمجھ کر اس کی پابندی شروع کر دیں، اور اسی طرح ان کے بعد کے طبقات بھی۔ اس طرح (جو چیز لازم نہ تھی اس کو لازم کر لینے سے) دین میں تحریف ہو جائے۔ تعمق کی جڑ یہی ہے کہ احتیاط اس حد تک کی جائے کہ وہ فرض کی طرح ہو جائے۔

کیفیت کے لحاظ سے تحریف کے انداز کی مثال یہ ہے کہ آپؐ نے صوم وصال (مسلل بلا سحری روزہ) سے منع فرمایا ہے، سحری کھانے کی ترغیب دی ہے، اور سحری میں تاخیر کرنے اور روزہ جلد اظہار کرنے کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ یہ سب باتیں اس تشدد اور تعمق میں شامل ہیں جو جاہلیت کے کام ہیں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول میں کہ ”جب شعبان کا مہینہ آدھا گذر جائے تو روزہ نہ رکھو“ اور ام سلمہؓ کی اس حدیث میں کہ حضورؐ رمضان اور شعبان میں متواتر روزے رکھتے، کوئی تعارض نہیں ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود بعض ایسے افعال کرتے تھے جن سے اپنی امت کو منع فرماتے۔ یہ ممانعت تعمق اور تحریف کے سدباب کے لیے ہوتی ہے، یا اصول قائم کرنے کے لیے۔ آپؐ اس بات سے مامون تھے کہ کسی چیز کو بے محل کریں یا حد سے تجاوز کریں کہ ضعف جسمانی یا ملال خاطر پیدا ہو، لیکن آپؐ کے سوا اور کوئی شخص مامون نہیں ہے، اس لیے باقی سب کے لیے ضروری ہوا کہ تشریح کے ذریعہ تعمق کا دروازہ بند کیا جائے۔

روایت ہلال کے ثبوت کے لیے ایک مسلمان کی شہادت کافی سمجھی گئی، وہ عادل ہو یا ستور الحال۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں صورتوں میں عمل فرمایا۔ ایک اعرابی آیا اور کہا کہ میں نے چاند دیکھا ہے۔ آپؐ نے اس سے (صرف یہ) پوچھا، کیا تم گواہی دیتے ہو (کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں؟) اس نے کہا، ہاں۔ آپؐ نے فرمایا، کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں؟ اس نے کہا، ہاں۔ آپؐ نے فرمایا، اے ہلال! لوگوں میں منادی کر دو کہ کل روزہ رکھیں۔ ایک دفعہ حضرت ابن عمرؓ نے گواہی دی کہ انہوں نے چاند دیکھا ہے، تو آپؐ نے روزہ

رکھ لیا۔ ملت کے سارے معاملات کے بارہ میں یہی حکم ہے (کہ غیر ضروری تحقیق و تفتیش سے اجتناب کیا جائے۔)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”سحری کھایا کرو کیونکہ سحری کھانے میں برکت ہے۔“ سحری میں دو برکتیں ہیں۔ ایک برکت جسم کے لیے ہے کہ وہ کمزور نہیں ہوتا۔ روزہ کا مقصد پورا کرنے کے لیے پورے ایک دن کھانے پینے اور شہوت سے رکننا کافی ہے۔ لہذا اس میں اضافہ نہ کرنا چاہیے۔ دوسری برکت کا تعلق تدبیرِ دینی سے ہے۔ وہ یہ کہ لوگ دین میں تصحیح نہ کریں اور اس میں تحریف و تغیر نہ داخل ہو۔ اسی لیے آپ نے مزید فرمایا کہ ”جب تک لوگ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے، ان کی حالت اچھی رہے گی۔“ نیز یہ کہ ”ہمارے اور اہل کتاب کے روزہ میں فرق سحری کھانے کا ہے۔“ ایک حدیثِ قدسی میں ہے کہ ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے نزدیک وہ زیادہ محبوب ہے جو افطار میں جلدی کرتا ہے۔“ اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ ان معاملات میں اہل کتاب نے تحریف کی ہے، اس لیے ان سے مختلف رہنے اور ان کی داخل کردہ تحریف کو رد کرنے سے ملت صحیح راہ پر قائم رہے گی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صوم وصال سے منع فرمایا ہے۔ یہ ممانعت بھی دو مقاصد کے لیے ہے۔ ایک یہ کہ روزہ جان کی ہلاکت کا سبب نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ دین میں تحریف نہ ہو۔ نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”تم میں سے کوئی جب اذان سنے اور اس کے ہاتھ میں برتن ہو تو وہ اس کو رکھ نہ دے۔ بلکہ اپنی حاجت پوری کر لے۔“ اذان سے مراد حضرت بلالؓ کی اذان ہے جس سے وہ سحری کا وقت ختم ہو جانے کا اعلان کرتے تھے۔ (یہ ہدایت بھی تشدد و تصحیح سے بچنے کے لیے ہے۔)

آپؐ کی یہ ہدایت کہ آدمی کھجوروں یا پانی سے افطار کرے، اس لیے ہے کہ انسان بےجا میٹھی چیز کی طرف میلان رکھتا ہے، خصوصاً ”بھوک کی حالت میں۔ جگر بھی شیریں چیز کو پسند کرتا ہے“ اور اہل عرب کی طبائع کھجور کو مرغوب رکھتی ہیں۔ ایسے امور میں طبیعت کے میلان کا اثر پڑتا ہے اور غذا صحیح طور پر ہضم ہو جاتی ہے۔ یہ بھی برکت کی ایک قسم ہے۔

افطار کے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں سے ایک یہ ہے کہ ”فَهَبِ الطَّمَاءَ وَ اَنْتَلِي الْمَرْوَةَ وَ تَبَّتِ الْاَجْرَانِ شَاءَ اللّٰهُ“۔ اس میں اشارہ ہے کہ جن باتوں کو انسان بالطبع مرغوب رکھتا ہے، یا اس کی عقل ان کو پسند کرتی ہے، ان کے حصول پر بھی شکر ادا کرنا چاہیے۔ اور ایک دعا یہ ہے کہ ”اللّٰهُمَّ لَكَ صُنْتُ وَ عَلَيَّ ذَنْبِكَ اَنْطَرْتُ“۔ اس دعا میں اخلاصِ عمل اور

شکرِ نعمت کی تاکید ہے۔

نیز نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”جب کوئی آدمی جمعہ کے دن روزہ رکھے تو اس سے پہلے یا اس کے بعد بھی ایک دن روزہ رکھے۔“ اور آپؐ نے فرمایا کہ ”جمعہ کی رات کو قیام کے لیے اور دن کو روزہ کے لیے مخصوص نہ کرو۔“

ان ہدایات کا راز دو حکمتوں میں ہے۔ ایک حکمت یہ ہے کہ تعمق کا دروازہ بند کرنا مقصود ہے۔ اس لیے کہ شارع نے جمعہ کے دن کے لیے بعض عبادات مخصوص کی ہیں، اور اس کی فضیلت بھی بیان کی ہے۔ جمعہ کے دن کو روزہ کے لیے مخصوص کرنے میں اس بات کا امکان تھا کہ تعمق کرنے والے اس دن کے روزہ کو بھی انہی عبادات میں شمار کر لیں۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ جمعہ کے دن کی حقیقت بحیثیت عید کے دن کے برقرار رہے۔ عید خوشی منانے اور لذت حاصل کرنے کا دن ہوتا ہے۔ اور جمعہ کو عید قرار دینے میں یہ حکمت ہے کہ اس دن کا اجتماع لوگوں کے لیے ایسا اجتماع بن جائے جس میں وہ بغیر جبر و آکراہ کے، پوری رغبت کے ساتھ شریک ہوں۔ جمعہ کے دن روزہ رکھنے کو لازمی قرار دینے سے یہ حکمت مجروح ہوتی ہے۔

اسی طرح آپؐ نے فرمایا کہ ”عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن روزہ رکھنا جائز نہیں۔“ اور یہ بھی کہ ”ایام تشریق کھانے پینے اور ذکرِ الہی کے دن ہیں۔“ ان ہدایات میں بھی یہی حکمت ہے کہ عید کے دنوں کی یہ حقیقت برقرار رہے کہ یہ خوشی کے دین ہیں، اور زہدِ خشک اور دین میں تعمق سے بچایا جائے۔

اس حدیث میں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کی حالت میں سواک کرتے تھے جس سے منہ کی بو زائل ہوتی ہے، اور آپؐ کے اس ارشاد میں کہ روزہ دار کے منہ کی یہ بو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے، کوئی تعارض نہیں ہے۔ دوسرے قول میں مبالغہ کا اسلوب بیان ہے۔ گویا کہ روزہ دار اللہ تعالیٰ کو اتنا محبوب ہے کہ اگر اس کے منہ میں بدبو بھی پیدا ہو جائے تو وہ بھی اس محبت کی وجہ سے اسے محبوب ہے (نہ یہ کہ روزہ دار کے منہ میں جو بدبو پیدا ہوتی ہے اسے زائل نہ کیا جائے)۔

یہ وہ بعض حکمتیں ہیں جو احکامِ صوم کے باب میں ملحوظ رکھی گئی ہیں۔

حجتہ اللہ البالغہ (ترجمہ و ترتیب: خرم مراد)